موجودہ معاشرتی اضطراب اوراس کا حل، سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں

Contemporary Social anxiety and its solution in the light of seerah

ڈاکٹر سید باچا آغا*

ABSTRACT:

Social anxiety is the fear of interaction with other people that brings on self-consciousness, feelings of being negatively judged and evaluated, and, as a result, leads to avoidance. Social anxiety is the fear of being judged and evaluated negatively by other people, leading to feelings of inadequacy, inferiority, embarrassment, humiliation, and depression. The major causes of Social anxiety are Rights abuses, Provocation, corruption, murder, Law-lessens, nepotism, Prejudices, grouping, Propaganda and carelessness. All of these things are causes of the destruction of a prosperous society. Because of these each individual of society remains restive and society become victims of violence. In this paper the social anxiety conditions and its solution will be described in detail in the light of seerah.

Keywords: *Social anxiety, Rights abuses, Provocation, corruption, Law-lessens, seerah.*

مقدمہ:

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ بدامنی، فساد اور اضطرابی صورتحال معاشرے کو تباہی وبربادی کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ فساد کی صورت میں معاشرتی، معاشی اور سیاسی امن درہم برہم ہو جاتا ہے۔ بدامنی کی فضا میں علوم وفنون کی ترقی رک جاتی ہے اور صنعتی ترقی کے لیے فضا سازگار نہیں رہتی۔ بلند تر اقدار پنپ نہیں سکتیں اور معاشرے کا ہر فرد مستقل طور پر خوف وہراس کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر افراد زیادہ دیر تک خوف وہراس اور اضطرابی کیفیت میں مبتلا رہیں تو ان کی صلاحیتیں تباہ ہو جاتی ہیں، نفسیاتی مریض بن جاتے ہیں اور علوم وفنون سمیت صنعتی ترقی کا پہیہ جام ہو جاتا ہے۔

اسلام ایک روشن فکر اور فطری دین ہے جو علوم وفنون اور معاشرت ومعیشت میں ترقی چاہتا ہے اور یہ بات کبھی بھی گوارا نہیں کرتا کہ انسانی زندگی اور اعلیٰ اقدار کے فروغ میں کسی بھی طرح جمود، تعطل اور اضطرابیت پیدا ہو۔ اس لیے اسلام نے فتنہ وفساد کے استیصال، انسداد اور خاتمے کے لیے مؤثر اور مثبت لائحہ عمل دیا ہے۔ اسلام بدامنی اور فتنہ وفساد کو ناپسند کرتا ہے اور کسی ایسی حرکت اور فعل کو روا نہیں رکھتا جو بدامنی پر منتج ہو۔ قرآن مجید فتنہ وفساد کی جہاں مذمت کرتا ہے وہاں اس کے انسداد کے لیے لوگوں کی ذہنی تربیت بھی کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ عبرت کے لیے حدود وتعزیرات کی صورت میں سزائیں بھی نافذ کرتا ہے تاکہ جن پر کوئی نصیحت

---

*Assistant Professor, Government Post Graduate Degree College, Quetta.

اثر نہ کرے، اُنہیں قانون کے شکنجے میں جکڑ کر لا قانونیت سے روکا جاسکے۔ دور جدید میں ہمارے معاشرے کو مختلف النوع اضطرابی صورتحال کا سامنا ہے جس کی وجہ سے زندگی گزارنے میں بےیقینیت، جمود اور اضطرابیت پایا جاتا ہے۔ لہذا ذیل میں معاشرے میں انہی اضطرابی وافتراقی عوامل کا مختصر جائزہ لینگے۔

حقوق کی پامالی:

معاشرے میں بدامنی اور فساد بے چینی کا ایک سبب معاشرتی، معاشی اور سیاسی شعبوں میں ظلم وزیادتی اور حقوق کی پامالی بھی ہے۔ ظالم اپنے اقتدار، معاشرتی برتری، یا معاشی شعبے میں بالادستی کی بناپر دوسروں کو زیادتی کا نشانہ بناتے ہوئے ان کے حقوق کی پامالی کرتا ہے۔ جب ظالم ان کا استحصال کرتا ہے تو متاثرہ افراد یا طبقات احتجاج کرتے ہیں، اگر احتجاج غیر مؤثر ہو جائے تو وہ ظالم سے خود نمٹنے کیلئے تیار ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں معاشرہ بدامنی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسلام اس سلسلے میں معاملات کو جڑ سے پکڑتا ہے اور لوگوں کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ حقوق کی عدم ادائیگی دنیوی اعتبار سے قابل دست انداز آئین و قانون ہے اور آخرت میں بھی قابل مؤاخذہ جرم قرار دیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اپنے آپ کو مظلوم کی بددعا سے بچاؤ کیونکہ مظلوم کی آہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی آڑ اور رکاوٹ نہیں ہوتی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ :

انْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا[1]۔

یعنی اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، صحابہ نے پوچھا کہ مظلوم بھائی کی تو مدد سمجھ میں آتی ہے، ظالم کی مدد کیسے کی جائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ظالم کا ہاتھ روکنا اور اسے ظلم سے باز رکھنا اس کی مدد ہے، اسی بارے میں شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ :

ان من اعظم المقاصد التی قصدت ببعثۃ الانبیاء علیھم السلام دفع المظالم من بین الناس ، فان تظالمھم یفسد حالھم و یضیق علیھم۔[2]

ترجمہ: جن مقاصد کے لیے انبیاء کرام کو دنیا میں مبعوث کیا گیا ان میں سے ایک عظیم مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان مظالم کو روکنے اور ان کے تدارک کے لیے تدابیر عمل میں لائیں۔ کیونکہ اگر ظلم وزیادتی کا سدباب نہ کیا جائے تو نظامِ زندگی میں ابتری واقع ہو جائے۔

استحصال بھی امن وامان کو تہہ وبالا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ اسلام نے اس کا استیصال بھی کیا ہے اور محض نصیحت کر دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اللہ کی ناراضگی اور آخرت کی مسئولیت کا احساس دلانے کے ساتھ ساتھ قانونی تحفظات کے ذریعے استحصال کو روکا گیا ہے۔ استحصال زدہ طبقہ اندر ہی اندر اپنی کمزوریوں اور محرومیوں میں جلتا رہتا ہے۔ استحصال کرنے والوں کے خلاف ان کے دل میں لاوا پکتا رہتا ہے۔ مغرب میں سرمایہ داری کے تحت غریب کا استحصال ہوا تو کمیونزم کی شکل میں رد عمل ظاہر ہوا اور اس انقلاب میں لاتعداد

انسانی جانیں ضائع ہوئیں۔استحصال زدہ طبقے جب رد عمل ظاہر کرتے ہیں تو پھر کشت وخون کی ندیاں بہہ جاتی ہیں۔اسلام نے ہر طرح کے استحصال کی راہیں بند کردیے،فساد کے خاتمے کیلئے اسلام نے جوذرائع اختیار کیے ہیں،ان میں سے ایک مؤثر ذریعہ حدود وتعزیرات کا نظام ہے۔اسلامی حدود کے بارے میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اعلم أن من المعاصي ما شرع الله فيه الحد، وذلك كل معصية جمعت وجوها من المفسده، بأن كانت فسادافي الأرض واقتضاباعلى طمأنينةالمسلمين وكانت لهاداعية في نفوس بني آدم لاتزال تهيج فيهاولها ضراوة لايستطيعون الاقلاء منهابعد أن أشربت قلوبهم بها، وكان فيه ضررلا يستطيع المظلوم دفعه عن نفسه في كثيرمن الأحيان، وكان كثير الوقوع فيما بين الناس فمثل هذه المعاصي لا يكفي فيها الترهيب بعذاب الآخرة، بل لابدمن إقامةملامةشديدةعليهاوإيلام، ليكون بين أعينهم ذلك، فيردعهم عمايريدونه[3]

ترجمہ: شریعت نے بعض جرائم پر حدود مقرر کی ہیں۔یہ وہ جرائم ہیں جن کی وجہ سے دنیامیں فتنہ وفساد پیدا ہوتا ہے اور مسلم معاشرے کا امن وسکون غارت ہو جاتاہے۔دوسرے ان جرائم کے بار بار ارتکاب سے نفس انسانی کوان جرائم کی لت پڑ جاتی ہے۔ پھراس جرم سے باز رکھنا انتہائی مشکل ہو جاتاہے۔اکثر اوقات بے چارے مظلوم کے لیے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ ان مجرموں کے مقابلے میں اپنا تحفظ کر سکے۔اگر ان جرائم کی روک تھام نہ کی جائے تو پھر ان جرائم کے خاتمے کیلئے محض آخرت کے خوف اور وعظ وتلقین سے کام نہیں چلتا بلکہ اس کیلئے سخت سزاؤں کا نفاذ ضروری ہوتاہے تاکہ مجرم کا انجام سب کے سامنے ہو جسے دیکھ کر دوسرے لوگ جرم سے باز رہیں۔

معاشرے کو فتنے فساد سے بچانے کیلئے اسلامی حدود بڑااہم کردارادا کرتی ہیں، جسٹس ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن لکھتے ہیں کہ:

"تمام حدود کے نفاذ سے معاشرے کی حفاظت مقصد ہے کیونکہ یہ اللہ کے حقوق میں سے ہے کہ اجتماعی زندگی کو محفوظ رکھاجائے اسی طرح وہ تمام اُمور جن میں فقہاے اُمّت نے اللہ تعالیٰ کے حق کو غالب تصور کیاہے،ان میں اشخاص کے انفرادی حقوق کا لحاظ نہیں رکھاجاتابلکہ اجتماعی زندگی کا مفاد پیش نظر رکھاجاتاہے اور اشخاص کے انفرادی مفاد کواس کے تابع قرار دیاجاتاہے"[4]۔

انتشار وافتراق:

جنگ وجدال، نفرت ومشکلات، گالی گلوچ وہ عوامل ہیں جو معاشرے میں اضطراب،انتشار اور افتراق کے سبب ہیں۔بدقسمتی سے ہمارے ہاں انہی عوامل کی فراوانی ہے۔جنگ وجدال، لڑائی جھگڑے، گالم گلوچ،ایک دوسرے سے سیاسی، قومی، مذہبی ومسلکی بنیاد پر نفرت سمیت انہی بنیادوں پرایک دوسرے کیلئے مشکلات پیدا کرناوہ عوامل ہیں جو معاشرے میں اضطرابیت وبے چینی کے سبب بنے ہوئے ہیں۔اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈال کرنہ صرف نفسانی خواہشات کو ترجیح دی ہے بلکہ اس

کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں اتنے غرقاب ہوئے ہیں کہ سیرت نبویؐ کی کرنیں ہم سے اوجھل ہیں۔ حالانکہ حضورؐ کے تعلیمات تو یہی ہیں کہ لوگ آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرے بلکہ آپس میں ایک دوسرے کیلئے سہولتیں پیدا کرنے والے ہوں اور سب سے بڑھ کر اعلیٰ اخلاق کے پیکر ہوں۔ آپؐ نے ہمیشہ لڑائی جھگڑے سے بچنے کا حکم دیا اور لڑنے جھگڑنے پر ناپسندیدگی کا اظہار فرماتے۔ نبی کریم ﷺ جب کسی صحابی کو کسی جگہ عامل تعینات فرماتے تو اسے ہدایت کرتے کہ :

بشّروا ولا تنفروا، یسّروا ولا تعسّروا[5]۔

ترجمہ: خوشخبری دینا، نفرت پیدا نہ کرنا۔ آسانیاں پیدا کرنا، مشکلات اور دقتیں پیدا نہ کرنا۔

حضور ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ آپؐ نے کبھی کسی سے جھگڑا نہیں کیا، آپؐ نے فرمایا:

مَنْ تَرَكَ الْكَذِبَ وَهُوَ بَاطِلٌ بُنِيَ لَهُ فِي رَبَضِ الْجَنَّةِ وَمَنْ تَرَكَ الْمِرَاءَ وَهُوَ مُحِقٌّ بُنِيَ لَهُ فِي وَسَطِهَا وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَهُ بُنِيَ لَهُ فِي أَعْلَاهَا[6]۔

ترجمہ: جس نے باطل چیز کے لیے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا، اللہ اس کے لیے جنّت کے کنارے پر محل تیار کرے گا اور جس نے حق پر ہونے کے باوجود جھگڑے سے اجتناب کیا تو اللہ جنّت کے وسط میں اس کے لیے محل تیار کرے گا اور جس نے (نہ صرف جھگڑا کرنے سے اجتناب کیا بلکہ) حسن خلق کا مظاہرہ کیا تو اس کے لیے جنت کے اعلیٰ درجے میں محل تیار کر دیا جائے گا۔

دنیا کو شائستگی اور تہذیب سکھانے میں نبوی اصلاحات نے بڑا مؤثر کردار ادا کیا۔ نبوی تعلیمات سے لوگوں کے ذہن اس انداز سے ڈھل گئے کہ وہ معمول کی زندگی میں بھی تہذیب و شائستگی کا دامن نہیں چھوڑتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے نہ صرف وہ تمام بنیادیں مسمار فرمادیں جو باہم عداوتیں پیدا کرتی اور فتنہ وفساد اور مرعوبیت و خوفزدگی کا سبب بنتی بلکہ ہنسی مذاق میں بھی کسی مسلمان کو پریشان کرنے سے منع فرماتے، چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ :

لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يُرَوِّعَ مُسْلِمًا[7]۔

ترجمہ: مسلمان کے لیے یہ حلال نہیں کہ وہ دوسرے مسلمان کو مرعوب و خوفزدہ کرے۔

لَا يَأْخُذَنَّ أَحَدُكُمْ مَتَاعَ أَخِيهِ لَاعِبًا وَلَا جَادًّا[8].

یعنی آپ ﷺ نے منع فرمایا کہ کسی مؤمن کو پریشان کیا جائے اور اس کا سامان ہنسی میں یا حقیقت میں اُٹھالیا جائے۔

ایک شخص نے دوسرے شخص کا جوتا اُٹھایا اور اسے غائب کر دیا وہ اس سے مزاح کر رہا تھا، اس بات کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا :

لَا تُرَوِّعُوا الْمُسْلِمَ، فَإِنَّ رَوْعَةَ الْمُسْلِمِ ظُلْمٌ عَظِيمٌ[9]۔

ترجمہ:　تم مسلمان کو نہ ڈراؤ، بے شک مسلمان کو ڈرانا بہت بڑا ظلم ہے۔

کسی بھی فتنے اور بدامنی کی فضا سے بچنے کے لیے اسلام کی حکمت عملی کمال احتیاط پر مبنی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کوئی شخص اسلحہ یا اور ایسی چیز جس سے کسی کو تکلیف یا زخم پہنچنے کا خدشہ ہو سکتا ہو، غیر محتاط انداز سے لے کر نہ چلے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو حکم فرمایا جو مسجد میں تیر لے کر جارہا تھا کہ وہ جب تیروں کو لیکر نکلے تو ان کی نوکوں کو پکڑ کر رکھے، ایسا نہ ہو اس کی نوک کسی کو لگ جائے۔

أن رجلا مر بأسهم في المسجد قد أبدى نصولها فأمر أن يأخذ بنصولها كي لا يخدش مسلما[10]۔

اشتعال انگیز ی:

بہت سے جرائم کا محرک فوری اشتعال ہوتا ہے جسے قانون کی زبان میں Sudden Provocation کہا جاتا ہے۔ یہ کیفیت غصّے سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ قرآن نے اس کے مقابلے میں صبر، عفو و درگزر اور احسان کی تعلیم دی ہے اور لوگوں کو ترغیب دی ہے کہ اگر وہ غصہ کی حالت میں انتقامی کاروائی نہ کریں تو یہ بات اللہ کو بات پسند آتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فتنے فساد کے محرکات کا مستقل طور پر سدِ باب کر کے ان اسباب کا تدارک فرمادیا جو اس کا سبب بنتے ہیں۔ اشتعال انگیزی اور غصہ وغیرہ وہ بنیادی جڑ ہے جو فساد کے آغاز کا سبب بنتے ہیں۔ آپ ﷺ نے غصے کا علاج بھی مختلف طریقوں سے بیان فرمایا۔ غصے کی حالت میں نبی کریم ﷺ نے وضو کرنے کا حکم دیا ہے اس سے شیطان کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ غصے کی حالت میں اگر کوئی کھڑا ہے تو بیٹھ جائے۔ قرآن میں ہے کہ غصے کو قابو میں رکھنے والے اللہ کو بہت محبوب ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ:

وَالکٰظِمینَ الغَیظَ وَالعافینَ عَنِ النّاسِ واللّٰہُ یُحِبُّ المُحسِنینَ[11]

ترجمہ:　وہ لوگ جو اپنے غصہ پر قابو رکھتے ہیں اور لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

قرآنِ مجید اور احادیث میں واضح کیا گیا ہے کہ غصہ شیطان کے اشتعال کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے، اسی لیے فرمایا کہ:

وَإِمّا یَنزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیطٰنِ نَزغٌ فَاستَعِذ بِاللّٰہِ[12]۔

ترجمہ:　جب شیطان تمہارے دلوں میں اشتعال پیدا کرے تو تم اللہ کی پناہ طلب کیا کرو۔

لہذا نبی کریم ﷺ نے اشتعال انگیزی پر قابو پانے اور دشمن کے اس وار کو ناکام بنانے کا حکم فرمایا کہ:

لَيۡسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمۡلِكُ نَفۡسَهُ عِنۡدَ الۡغَضَبِ[13]۔

ترجمہ:　پہلوان وہ نہیں جو بدلہ لینے میں زیادہ سخت ہو بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ اگر تم زیادتی کا بدلہ لینا چاہو تو لے سکتے ہو لیکن اگر تم معاف کر دو تو یہ باعثِ اجر ہوگا، لیکن بدلہ لینے

میں بھی تمہیں اس بات کو ملحوظ رکھنا ہو گا کہ: وَإِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ[14]"اگر تم بدلہ لو تم تو اتنا ہی جتنا تم پر زیادتی کی گئی"۔اسی طرح فرمایا کہ: فَمَنِ اعۡتَدٰی عَلَيۡكُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَيۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰی عَلَيۡكُمۡ[15] "جس قدر زیادتی تمہارے ساتھ کی گئی ہے، بدلہ اسی قدر لیا جائے"اس سلسلے میں قرآن مجید کا نظریہ یہ ہے کہ: اِدۡفَعۡ بِالَّتِيۡ هِيَ اَحۡسَنُ فَإِذَا الَّذِيۡ بَيۡنَكَ وَ بَيۡنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيۡمٌ[16] "برائی کا بدلہ برائی کی صورت میں دینے کے بجائے برائی کو اچھائی اور حسن سلوک سے مٹاؤ اس طریق کار کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمہارا بدترین دشمن بہترین دوست بن جائے گا"، قرآن کریم اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ کسی کی زیادتی پر صبر کرنا اپنے نتیجے کے اعتبار سے بدلہ لینے سے بہتر نتائج پیدا کرے گا، چنانچہ ارشاد ہے کہ: اَلَا تُحِبُّوۡنَ اَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَكُمۡ[17] "کیا تم پسند نہیں کرتے کہ (تم لوگوں کو معاف کرو اور) اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے"۔

قتل وغارتگری:

یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جہاں انسانی جان کی کوئی قیمت نہ ہو، اس کا کوئی احترام نہ ہو اور نہ ہی حفاظت یعنی امان کا بندوبست نہ ہو وہاں کیسے چند افراد بھی رہ سکتے ہونگے، ان میں باہم کاروبار یا دیگر معاملات بحسن وخوبی انجام پا سکتے ہیں کیونکہ ہر شخص کو تجارت، صنعت کاری، گھرداری، سیر و تفریح اور متمدن زندگی گزارنے کی ضروت ہوتی ہے۔ پھر اگر ضروریات زندگی سے قطع نظر خالص انسانیت کی نظر سے دیکھا جائے تو اس لحاظ سے بھی کسی ذاتی فائدے کی خاطر یا کسی ذاتی عداوت کسی دوسرے انسان کو قتل کرنا بدترین سنگدلی ہے۔ دنیا کے سیاسی قوانین تو احترام حیات انسانی کو صرف سزا اور قوت کے زور سے قائم کرتے ہیں لیکن ایک سچے اور حقیقی مذہب کا کام دلوں میں اس کی درست قدر وقیمت کا پیدا کرنا ہے تاکہ جہاں انسان کو کسی کو تعزیر کا خوف ہو اور نہ ہی اسے کسی قانون کے اہلکار کے روکنے کا ڈر ہو۔ انسانی تمدن کی بنیاد جن قوانین پر قائم ہے اس میں اولین جان کو محترم کہا گیا ہے، یعنی انسان کے تمدنی حق میں پہلا حق زندہ رہنے کو دیا گیا ہے جب کہ اس کے تمدنی فرائض میں بھی اول فرض زندہ رہنے دیے جانے کا فرض عائد کیا گیا ہے۔ دنیا میں جتنی بھی شریعتیں اور مہذب قانون موجود ہیں ان میں احترام نفس کا قانون ضرور موجود ہے، البتہ جن قوانین یا مذاہب میں اسے تسلیم نہیں کیا گیا وہ مہذب انسانوں کا قانون تو بن سکتا ہے لیکن اس کے ماتحت رہ کر کوئی انسان یا انسانی گروہ پرامن زندگی گزار سکتا ہے اور نہ ہی اسے فراغ حاصل ہو سکتا ہے۔ احترام انسانیت کی موثر اور جامع تعلیم اسلام ہی میں دی گئی ہے۔ قرآن کریم جو کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک ضابطہ حیات ہے اس میں جگہ جگہ انسانی جان کے احترام کی مختلف پیرائیوں میں تعلیم دی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ:

كَتَبۡنَا عَلَى بَنِيۡ إِسۡرَائِيلَ أَنَّهُ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ أَوۡ فَسَادٍ فِي الۡأَرۡضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنۡ أَحۡيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحۡيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدۡ جَاءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا بِالۡبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِنۡهُمۡ بَعۡدَ ذَلِكَ فِي الۡأَرۡضِ لَمُسۡرِفُونَ[18]۔

ترجمہ: ہم نے بنی اسرائیل کو یہ لکھ دیا کہ جو کوئی کسی کی جان لے بغیر اس کے کہ اس نے کسی کی جان لی ہو یا زمین میں

فساد کیاہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کا خون کیا اور جس نے کسی کی جان بچائی تو گویا اس نے تمام انسانوں کی جان بچائی۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

لن يزال المؤمن في فسحة من دينه ما لم يصب دما حراما[19]۔

ترجمہ: مؤمن اپنے دین کی وسعت میں اس وقت تک برابر رہتا ہے جب تک وہ کسی حرام خون کو نہیں بہاتا۔

نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل عرب کے خونخوار ماحول میں انسانیت کا احترام اور امن پسندی کا نظام تباہ ہو چکا تھا پھر وہیں رحمت للعالمین ﷺ کی موجودگی میں مہذب معاشرہ تشکیل پایا جس کا اثر چہار سو پھیل گیا اور اسلامی تعلیمات نے انسان کی بے شمار غلط کاریوں اور دیگر گمراہیوں کے ساتھ ساتھ انسانی جان کی بے قدری کا بھی استحصال کر دیا۔ آج دنیا کے مہذب قوانین میں حرمت نفس کو وہ درجہ ملا جو کسی بھی لحاظ سے کسی انقلاب سے کم نہیں ہے۔ اجتماعی تاریخ کا کوئی قانون وانصاف پسند معاشرہ اس سے انکاری نہیں کہ دنیا کے اخلاقی قوانین میں انسانی جان کی حرمت قائم کرنے کا فخر جتنا اسلام کو حاصل ہے اتنا کسی اور مذہب کو حاصل نہیں۔

یہاں یہ وضاحت بھی لازمی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسانی خون کی حرمت اس وقت تک ہے کہ جب تک اس پر حق نہ لاگو ہو جائے، اسے زندگی گزارنے کے تمام حقوق حاصل ہیں جب تک کہ وہ حدود سے تجاوز نہ کر جائے، جوں ہی وہ حدود سے باہر نکلا اور زمین پر فساد وانتشار کا باعث بنا اسے سزا کا دیا جانا فرض عین ہے تاکہ ایک متوازن معاشرے کی تشکیل ہو سکے۔

لاقانونیت اور اقرباءپروری:

ہمارے پاس تاریخ میں المیہ یہ ہے کہ ہم مال ومتاع اور جاہ وحشم کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں جب کہ قانون کی عملداری صرف غریب اور مفلس ومحکوم افراد پر لاگو کی جاتی رہی ہے حالانکہ عدل وانصاف کے پیمانوں میں ایسی کوئی شق موجود نہیں۔ صاحب منصب کے لیے بہت ہی خطرناک چیز یہی ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور قریبی ساتھیوں کو اہمیت دے یا ان کی سفارش کرے اور ان میں ہی عہدے تقسیم کرے چاہے ان میں لیاقت ہو یا نہ ؟ اگر وہ اس لائق ہیں تو اس سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے لیکن نالائق لوگوں کو عہدے دینا اس بنا پر کہ وہ قائد اور حاکم کے رشتہ دار اور اس کے قریبی ہیں اور انہیں میں بیت المال تقسیم کر کے ان میں اور دوسرے لوگوں میں فرق کرنا یہ زیادتی ہے اور تاریخ گواہ ہے کہ جس نے بھی ایسا کیا وہ اس دنیا میں بھی ذلیل ہوتے دکھائی دیا سفارش واقرباءپروری لاقانونیت کا وہ ناسور ہے جو اداروں کو کھوکھلا کر دیتا ہے، جبکہ ہمارے ہاں سب سے زیادہ جو کلچر عام ہے وہ سفارش واقرباء پروری ہے، اسکے ہوتے ہوئے کبھی بھی معاشرے کو ایک کامیاب معاشرتی نظام کے دائرے میں داخل نہیں کر سکتے۔ اس کلچر کا سخت مذمت کرتے ہوئے ایک بار نبی کریم ﷺ کی خدمت میں فاطمہ نامی عورت کا مقدمہ پیش ہوا، کئی معتبرین

نے اس معاملے میں سفارش کی مگر نبی محترم ﷺ نے اس پر برہمی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ اگر اس کی جگہ فاطمہؓ بنت محمد ﷺ بھی ہوتی تو قانون کے مطابق فیصلہ کیا جاتا لہذا اس سلسلے میں ارشاد فرمایا ہے کہ:

اتشفع فی حد من حدود الله ثم قام فاختطب فقال یا ایها الناس انما هلك الذین قبلکم انهم کانوا اذا سرق منهم الشریف ترکوه واذا سرق فیهم الضعیف اقاموا علیه الحدود، والله لوان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها[20]۔

ترجمہ: کیا تم اللہ کی حدود میں سفارش کررہے ہو؟ پھر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا: اے لوگو! بے شک تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں سے کوئی معزز چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی نادار چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے اللہ کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کے ہاتھ کاٹتا۔

اس لیے صاحب منصب کی خاصیت وذمہ داریوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ ناجائز سفارش اور اقربا پروری سے پرہیز کریں، اپنے رشتہ دار، دوست واحباب کے بجائے عام افراد جو قابل اور اہل ہوں انہیں ترجیح دی جانی چاہیے اور تمام ترفیصلے صرف اور صرف میرٹ پر کریں۔

تعصّبات اور گروہ بندی:

پوری دنیا میں اس وقت مختلف عصبیتوں سے زہر آلود ہو چکی ہے۔ لوگ رنگ ونسل، مذہب اور زبان کی عصبیتوں میں پھنسے ہوئے ہیں، سیاسی مفادات اور جتھا بندی کی خاطر لسانی، علاقائی اور نسلی تعصب کو اُچھالا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ان تمام عصبیتوں کا بڑی شدت سے خاتمہ فرمایا۔ اپنی قوم اور برادری سے محبت اس بناء پر کہ وہ آپ کی قوم کے آدمی ہیں اور آپ کے رشتہ دار ہیں، آپ کے ہر وقت شریک رنج وراحت ہیں اسی وجہ سے اس کے ساتھ آپ کی دوستی، محبت اور تعاون و مدد ہے، یہ بات اسلام کی نظر میں قابل اعتراض نہیں، جب تک ناحق ان کی حمایت نہ کرے اور ظلم وزیادتی پر ان کے ساتھ تعاون ومدد نہ کرے۔ ایک شخص نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ:

یارسول اللہ امن العصبیة ان یحب الرجل قومه قال لا، ولکن من العصبیة ان ینصر الرجل قومه علی الظلم[21]

ترجمہ: اے اللہ کے رسول ﷺ ایک شخص اپنی قوم سے محبت رکھتا ہے تو کیا یہ عصبیت سے شمار ہوتی ہے، تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں، لیکن عصبیت یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی قوم کی مدد اسکے ظلم کے باوجود کرتا ہے۔

گویا حضورؐ نے قوم کا ساتھ دینے کی حدیں بھی بیان فرمادیں کہ قوم کی مدد صرف اس حد تک ہو کہ قوم کا موقف حق و انصاف پر مبنی ہو۔ جتھے بندی، گروہی سیاست اور پریشر گروپ تشکیل دیکر ذاتی گروہی اور سیاسی مفادات حاصل کرنے کی خاطر

دوسروں کی مدد کرنا ناجائز ہے۔اسلام زندگی کے ہر معاملے میں ناجائز قومیت و عصبیت سے گریز کا حکم دیتا ہے،ایسی خبروں کی اشاعت سے گریز کا حکم دیتا ہے جس سے علاقائی تعصب پیدا ہو یا مذہبی منافرت کو ہوا ملے۔حضورﷺ کا ارشاد ہے کہ:

لیس منا من دعا الیٰ عصبیۃ و لیس منا من قاتل عصبیۃ و لیس منا من مات علیٰ عصبیۃ[22]۔

ترجمہ: وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی دعوت دے اور وہ بھی ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی بنیاد پر جنگ کرے اور ہم میں سے وہ بھی نہیں جو عصبیت کی حالت میں مرے۔

قرآنِ مجید مختلف جرائم کا ذکر ان کی خرابیوں کے سیاق و سباق میں بیان کر کے اُن کی برائی ہمارے ذہن نشین کرواتا ہے۔مثلاً قتل نفس کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ:

مَن قَتَلَ نَفسًا بِغَيرِ نَفسٍ أَو فَسادٍ فِي الأَرضِ فَكَأَنَّما قَتَلَ النّاسَ جَميعًا[23]۔

ترجمہ: جس نے کسی جان کو بغیر حق کے قتل کیا تو اس نے گویا پوری انسانیت کو قتل کر ڈالا۔

یہ مشاہدہ ہے کہ ایک قتل بہت سے قتلوں کا ذریعہ بن جاتا ہے،اس میں خاندانوں کے خاندان ختم ہو جاتے ہیں،لیکن انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہو پاتی۔اسلام سے قبل کی زندگی اور آج کے دور کے قبائلی تعصبات کی بنیاد پر ہونے والے قتل اس کی مثال ہیں۔

پروپیگنڈہ اور بدگمانی:

اللہ رب العزت جو بادشاہوں کا بادشاہ اور حاکموں کا حاکم ہے،بندوں کے تمام عیوب و نقائص جانتے ہوئے بھی ان کی عیب پوشی کرتا رہتا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ہم عبد الستار ہو کر بھی اپنے کسی بھائی کی عیب پوشی نہیں کر پاتے ہیں اور حسن ظن کی تاکید و تلقین ہونے کے باوجود اپنے بھائی کے ساتھ حسن ظن نہیں رکھ پاتے ہیں۔اسی طرح اگر کوئی ناگوار بات ہمارے بڑوں کے بارے میں کہی جاتی ہے تو وہ ہمیں بری لگ جاتی ہے اور ہم اسے کسی بھی طرح ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے،لیکن وہی بات اگر کسی اور کے بڑوں کے بارے میں کہی جاتی ہے تو وہ ہمیں اچھی لگ جاتی ہے اور ہم بڑی آسانی سے اسے مان لیتے ہیں،جب کہ حسن ظن کا تقاضا یہ ہے کہ جس بات کو ہم اپنے اکابر کے لیے معیوب سمجھتے ہیں اس کو ہر کسی کے اکابر کے لیے بھی معیوب سمجھیں اور جسے ہم اپنے اکابر کے لیے اچھا سمجھتے ہیں اسے دوسروں کے اکابر کے لیے بھی اچھا سمجھیں۔اس کے علاوہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فرد مخالف صحیح العقیدہ مومن ہے اور پابند شریعت بھی،اس کے باوجود اگر وہ کوئی مدلل بات بھی کہتا ہے تو ہم بلا سوچے سمجھے اس کو رد کر دیتے ہیں، جب کہ فرد موافق صحیح العقیدہ مومن تو ہے مگر پابند شریعت نہیں،اگر وہ کوئی بات کہتا ہے غیر مدلل ہی صحیح،پھر بھی ہم اسے نہ صرف خود قبول کرتے ہیں بلکہ دوسروں سے بھی قبول کروانے کے لیے پورا زور لگا دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دینی اور دنیوی دونوں سطحوں پر اختلاف و انتشار اور فتنہ و فساد کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ایسے حالات میں حسن ظن کی معنویت و اہمیت بڑھ جاتی ہے،کیوں کہ ایسے وقت میں اگر ہم حسن

ظن سے کام لیتے ہیں تو نہ صرف امن وآشتی، آپسی ہم آہنگی، صلح ومصالحت اور اتحاد واتفاق کو فروغ دیتے ہیں، بلکہ معاشرتی انتشار واختلاف ختم کرنے کے ساتھ ساتھ قرب الٰہی کے بھی حقدار ہوتے ہیں، چنانچہ حضرت ابو ھریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

یقول الله: انا عندظن عبدی بی ،وانا معه اذا دعانی[24]۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کے میرے متعلق گمان کے ساتھ ہوتا ہوں اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علمائے ربانی اور مشائخ کرام نے ہمیشہ حسن ظن سے کام لیا ہے اور اگر کبھی کسی سے بد گمانی ہوئی بھی تو اس کو اپنے ہی تک محدود رکھا، کسی پر ظاہر ہونے نہیں دیا، کیوں کہ کسی سے بد گمان ہونا اور پھر اس کا اظہار کرنا گناہ ہے۔ اس پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت سفیان بیان کرتے ہیں کہ:

الظن ظنان فظن إثم وظن ليس بإثم فأما الظن الذي هو إثم فالذي يظن ظنا ويتكلم به وأما الظن الذي ليس بإثم فالذي يظن ولا يتكلم به[25]۔

ترجمہ: بد گمانی دو طرح کی ہوتی ہے، ایک بد گمانی گناہ ہے اور دوسری گناہ نہیں، جو بد گمانی گناہ ہے وہ یہ ہے کہ کوئی بد گمان بھی رہے اور اس کا پروپیگنڈہ بھی کرے اور جو بد گمانی گناہ نہیں ہے وہ یہ ہے کہ کسی سے بد گمان تو رہے لیکن اس کا پروپیگنڈہ نہ کرے۔

ہمیں عملی طور پر اپنا اپنا محاسبہ کرنا ہوگا کہ ہم کہاں تک حسن ظن کے زیور سے مزین ہیں۔ اگر ہم اپنے احباب واقارب کے عیوب ونقائص کو بھی اپنے حسن ظن کی وجہ سے محاسن وخوبیاں شمار کر رہے ہیں اور ان کی بڑی سے بڑی خرابیوں پر بھی پردہ ڈال رہے ہیں، اس کے بر خلاف دشمنوں کے محاسن وخوبیوں کو بھی عیوب ونقائص گمان کر رہے ہیں، ان کی چھوٹی چھوٹی برائیوں کو بھی بڑا کر کے بیان کر رہے ہیں اور مزہ لے لے کر اس کا پروپیگنڈہ بھی کر رہے ہیں، اگر ایسا ہے تو جان لیں کہ ہم حسن ظن سے کوسوں دور ہیں۔

حسن ظن ایک ایسی خوبی ہے جس کی معنویت وافادیت سے ہم چاہ کر بھی انکار نہیں کر سکتے اگر ہم حسن ظن کو دل سے اپنا لیں تو اس میں دورائے نہیں کہ ہم دینی اور دنیوی ہر طرح کے اختلافات واتہامات سے پاک رساف ہو جائیں، کیوں کہ حسن ظن نہ صرف مسلمانوں کا ایمانی زیور ہے، بلکہ یہ آپسی ہم آہنگی، صلح ومصالحت، اتفاق واتحاد اور معاشرت انسانی کی صلاح وفلاح کے لیے ناگزیر بھی ہے۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے کہ: یاایھاالذین آمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعد الظن اثم[26]۔ ''اے ایمان والوں! بد گمانوں سے بچو، بلاشبہ بعض گمان گناہ ہیں''۔ بد گمانی سے بچنے کا واضح مطلب ہے کہ ہم خود کو حسن ظن سے آراستہ کریں ورنہ اس کا اثر یہ ہوگا کہ نہ ہم اپنے اندر پیدا ہونے والے انتشار واختلاف کو روک پائیں گے اور نہ ہی انسانی معاشرے کی صالح

تعمیر کر پائیں گے، جب کہ نفس کا تزکیہ اور معاشرے کی صالح تعمیر و تشکیل ہماری دینی اور دنیوی دونوں ذمہ داری ہے، اور اسی ذمہ داری کی صحیح انجام دہی کی وجہ سے ہماری عبادتوں میں حسن اور نکھار پیدا ہوتا ہے۔ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ: حسن الظن من حسن العبادۃ [27]. ''حسن ظن بہترین عبادت ہے''۔

غیر ارادیت/بے احتیاطی:

شریعتِ اسلامیہ کا مزاج یہ ہے کہ وہ ان اسباب کا بھی تدارک کرتی ہے جو کسی خرابی کا سبب بنتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے مسلمان کو تلقین کی ہے کہ وہ اس بات کو اپنی زندگی کا حصہ بنائے کہ اگر وہ کوئی ایسی چیز دیکھے جس سے دوسرے کو تکلیف ہو سکتی ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس اذیت دینے والی چیز کو راستہ سے ہٹادے۔ اس سلسلے میں ایک روایت میں ایک پتھر ہٹانے، ایک میں ایک درخت کی ٹہنی ہٹانے جو لوگوں کو تکلیف دیتی تھی، ایک روایت میں راستے میں کانٹا ہٹا دینے پر انسان کو مغفرت کی بشارت دی گئی ہے۔ گویا ان احادیث میں فرمایا گیا کہ اسلام اس بات کو بھی گوارا نہیں کرتا کہ کسی مسلمان کے ہاتھ سے غیر ارادی طور پر کسی دوسرے مسلمان کو نقصان اور تکلیف پہنچے، چہ جائیکہ مسلمان دوسروں کے خلاف ہتھیار بند ہو کر لڑے۔ فرمایا گیا کہ ایسا نہ ہو کہ غیر ارادی طور پر تیر کی نوک کسی کو لگ جائے اور وہ تکلیف کی حالت میں مشتعل ہو کر جوابی حملہ کردے حالانکہ اس میں دوسرے شخص کی نیت داخل نہ تھی۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے ننگی تلوار لے کر چلنے سے بھی منع فرمایا:

نَهَى رَسُولُ اللہ ﷺ أَنْ يُتَعَاطَى السَّيْفُ مَسْلُولًا [28]۔

ترجمہ: نبی ﷺ نے کسی کو ننگی تلوار دینے (پکڑانے) سے منع فرمایا (مبادا اس کو اچانک لگ جائے)۔

اسی طرح ایک شخص تیر لیکر مسجد میں آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ انہیں پیکانوں سے پکڑ لو۔ دوسری حدیث میں وضاحت ہے کہ پیکانوں سے پکڑ لو ایسا نہ ہو کہ کسی کو لگ جائے۔ ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ: واللہ ما متنا حتی سددناھا بعضا فی وجوہ بعض [29] ''خدا کی قسم! ہم نہیں مرے اس کے بعد کہ ہم نے تیر دوسروں کے منہ پر ہی مارا۔ یعنی تیر چلایا تو جنگ کے دوران ہی چلایا''۔

اس بے احتیاطی کی عملی شکلیں ہم روز ملاحظہ کرتے ہیں کہ بے احتیاطی سے بندوق صاف کرتے ہوئے سامنے والے کو گولی لگ گئی یا اندھی گولی لگنے سے کسی کی جان گئی وغیرہ۔ اگر کوئی شخص بندوق وغیرہ صاف کرتے ہوئے اس بات کی احتیاط کرلے کہ پہلے اچھی طرح دیکھ لے کہ کہیں اس کے اندر کوئی گولی تو موجود نہیں، یا شادی بیاہ کے موقع پر ہونے والی آتش بازی اور فائرنگ کے موقع پر خوشی اور جذبات میں کئی دفعہ من چلے نوجوان حادثات کر بیٹھتے ہیں۔ باشعور شہریوں میں اتنا شعور ہونا چاہیے کہ کیا خطرناک کام کر کے ہی خوشی کا اظہار ہو سکتا ہے؟ اسی طرح بسنت وغیرہ کے موقع پر ہونے والی آتش بازی کے حوالے سے ان احادیث سے راہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے کہ اس طرح کے مواقع پر بھی غیر ذمہ دارانہ انداز سے فائرنگ کی جاتی ہے۔ بہر حال مذکورہ بالا احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ

اسلام یہ بات گوارا نہیں کرتا کہ اسلحہ کی نمائش کی جائے۔ نمائش کے دوران کوئی بھی ناخوشگوار واقعہ پیش آسکتا ہے۔ایسا اکثر اسلحہ کی نمائش کے دوران ہوتا ہے،ان احادیث میں اس بات کی واضح ممانعت موجود ہے۔اس رجحان کا ایک مزید برا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ اگر دوسرا فریق بھی اسی طرح اسلحہ لیکر نکل آئے تو فساد برپا ہو سکتا ہے۔اسلحہ کی نمائش کا برا نتیجہ یہ بھی ہے کہ دوسرے کو مرعوب کرنا غروراور تکبر کا مظاہرہ بھی ہے۔

نبی کریم ﷺ کے احکام پر عمل درآمد کرانا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے۔اس بنا پر یہ اُصول اَخذ کیا جاسکتا ہے کہ اسلامی حکومت فتنے فساد کے زمانے میں ہتھیاروں کی تیاری،ان کی خرید وفروخت پر سرکاری طور پر پابندی لگادے۔اگر تحفظ کے لیے اسلحہ عوام کی ضرورت ہو تو اسے محدود دائرے میں خصوصی اجازت اور لائسنس کے ساتھ ان کے درست استعمال کی ضمانت کے ساتھ اسلحہ رکھنے کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

خلاصہ بحث:

مل جل کر زندگی گزارتے ہوئے لوگوں کے درمیان اختلافات کا پیدا ہونا ایک فطری امر ہے۔نبی کریم ﷺ نے اس شخص کے لیے بڑے انعام کا ذکر فرمایا جو باہمی نزاعی معاملات میں ضبط و تحمل اور عفو ودر گزر سے کام لیتے ہوئے کشیدگی سے اجتناب کرتا ہے۔بلکہ اس موقع پر تو شریعت اسلامیہ میں بڑی وسعت پائی جاتی ہے کہ دونوں فریقوں کے درمیان صلح کروانے کے لیے اگر کچھ جھوٹ بھی بولنا پڑے تو اس کی بھی اجازت ہے،یہ اس لئے کہ ان کے درمیان بدگمانیاں اور اشتعال پیدا کرنے والی باتیں کم ہوں اور معاشرہ اضطرابیت وبے چینی کے حالات سے نکل کر امن وسکون اور بھائی چارے کا مظہر بنے۔

اسلام نے کسی بھی طرح کے اشتعال کی حوصلہ شکنی ہی نہیں کی بلکہ اشتعال کا سبب بننے والے کاموں کا سد باب کرتے ہوئے کسی کو گالی دینے کی ممانعت فرمائی،زبان کا غیر ذمہ دارانہ استعمال ممنوع قرار دیا۔کسی کو لعنتی کہنے،تہمت لگانے،چغلی کرنے،کسی کا تمسخر اُڑانے،دوسروں کو حقیر جاننے،بے جا پروپیگنڈہ کرنے،افواہیں پھیلانے،کسی کو نسب کا طعنہ دینے اور دیگر مشتعل کرنے والی حرکات کی شدت سے ممانعت کردی گئی۔اس کی وجہ یہی ہے کہ معاشرہ پر سکون رہے اور ہر فرد بلا خوف وخطر امور زندگانی سرانجام دیتے ہوئے کامیاب وپر سکون معاشرے کا حصہ بنے۔

ہمارا عدالتی نظام جس حد تک پست ہو چکا ہے،جس طرح لوگ اس نظام سے نالاں اور جس قدر اس سے لوگوں کی شکایتیں وابستہ ہوچکیں ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نظام میں انصاف بالکل مفقود ہوچکا ہے بلکہ انصاف ، ریاست میں ترجیح ہی نہیں ہے۔عدالتوں میں معمولی کیسز سالہا سال تک چلتے رہتے ہیں لیکن فیصلہ نہیں ہوتا جس کی وجہ سے سائل نفسیاتی بیماری کا شکار ہو جاتا ہے اور کبھی کبھار تو عدالتی چکروں سے تنگ آکر خود ہی اپنا عدالت لگالیتا ہے اور بات قتل وقتال تک پہنچ جاتی ہے اور ایک قتل بہت سے

قتلوں کا ذریعہ بن جاتاہے،اس میں خاندانوں کے خاندان ختم ہو جاتے ہیں لیکن انتقام کی آگ ٹھنڈی نہیں ہو پاتی، جس سے معاشرے میں مزید الجھنیں جنم لیتی ہیں۔ اگر آپ انصاف کا اہتمام کر دیتے ہیں تو لوگوں کو ایک چینل مہیا ہو جاتا ہے جہاں وہ جا کر باآسانی اپنی بات کہہ سکتے ہیں اور جو مشکلیں و مصیبتیں ان کو در پیش ہوتیں ہیں وہ ان کا مداوا بننے کا موجب بن جاتا ہے، انتشار اور خود ساختہ لا قانونیت ختم ہو جاتی ہے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اسلامی تعلیمات کے مطابق بے لاگ عدل وانصاف کا اہتمام کریں تاکہ حق دار کو اس کا حق بروقت ملے، اور معاشرہ مزید الجھنوں سے بچ کر امن وسکون کا گہوارہ بنے۔

دین خداوندی کے نزدیک جب حق کا اطلاق ہو جائے وہاں کسی کی نہیں سنی جاتی۔ انسان بنیادی طور پر اپنی جبلت میں نیکی کے ساتھ بدی اور اطاعت کے ساتھ معصیت بھی رکھتا ہے۔ لہٰذا اس کی سرکش طبیعت کو اطاعت پر مجبور کرنے کے لیے ایسے قوانین کی ضرورت ہے جس میں حکم دینے کے ساتھ یہ بھی ہو کہ اگر اس کی تعمیل نہ کی گئی تو سزا کیا ہے اور منع کرنے کے ساتھ یہ بھی ہو کہ اگر فعل ممنوعہ سے اجتناب نہ کیا گیا تو اس کا نتیجہ کیا بھگتنا پڑے گا۔ چنانچہ صرف یہ کہہ دینا کافی نہ ہو گا کہ ''جس جان کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اسے قتل نہ کرو'' بلکہ جب تک یہ بتا دیا کہ اگر اس عظیم گناہ سے اجتناب نہ کیا اور فساد فی الارض پھیلایا گیا تو اسے کیا سزا ہو گی۔ لہذا سرکشوں کو دائرہ اطاعت میں لانے اور معاشرے کو پر سکون بنانے کے لئے اسلامی قوانین پر مکمل عمل درآمد لازمی ولابدی ہے جس کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں۔

حوالہ جات

[1] البخاری،ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل،الجامع الصحیح للبخاری/ الجامع المسندالمختصر من امور رسول اللہ ﷺ وسننه وایامه،دارطوق النجاة، بیروت، 1422ھ،کتاب الجمعه، باب اعن اخاك ظالما او مظلوما۔ج3، ص128

[2] شاہ ولی اللہ، احمد ابن عبدالرحیم الدھلوی، حجۃ اللہ البالغہ، القاہرہ، بغداد، ج1، ص742

[3] ایضاً، ج1ص 756

[4] جسٹس تنزیل الرحمن، جرم وسزا کا اسلامی تصور، لاہور، ص120

[5] القشیری، ابوالحسین مسلم ابن الحجاج، الجامع الصحیح للمسلم، کراچی، قدیمی کتب خانہ، کتاب الجهادوالسیر، باب فی الامر بالتیسیر وترك التنفیر، ج3، ص1358

[6] ترمذی، محمد بن عیسیٰ بن سورہ، الجامع للترمذی/ الجامع المختصرمن السنن عن رسول اللہ ﷺ ومعرفة الصحیح والمعلول وما علیه العمل، داراحیاء التراث العربی، بیروت، کتاب البروالصلة، باب المراء، ج4، ص358

[7] السجستانی، ابی داؤد سلیمان بن اشعث، السنن لابی داؤد، دارالرسالة العالمیه، 1430ھ، کتاب الادب، باب من یاخذ الشیئ علی المزاح، ج7، ص352

[8]ایضاج4،ص458

[9] المتقی،علاوالدین علی بن حسام الدین الهندی،کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال،مؤسسه رسالة،بیروت، 1401ھ، کتاب المواعظ والحکم،باب ثانی فی الترهیبات،فصل الاول فی المفردات،ج16،ص11

[10]بحوالہ بالا،القشیری،ابوالحسین مسلم ابن الحجاج، الجامع الصحیح للمسلم،کتاب البر ؤالصلة والاداب،باب أمر من مر بسلاح في مسجد أو سوق أو غیرهما من المواضع الجامعة للناس أن یمسك بنصالها، ج4،ص2019

[11]آل عمران3:134

[12]الاعراف7:200

[13]بحوالہ بالا،البخاری،ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل،الجامع الصحیح للبخاری،کتاب الادب،باب الحذر من الغضب، ج8،ص28

[14]النحل16:126

[15]البقرۃ2:194

[16]حم السجدہ32:34

[17]النور24:22

[18]المائدہ5:32

[19]بحوالہ بالا،البخاری،ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل،الجامع الصحیح للبخاری،کتاب الدیات،باب قول الله تعالیٰ ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جهنم،ج9،ص2

[20]ایضا، باب من انتظر حتی تدفن ،ج4،ص175

[21]الخطیب العمری،ولی الدین محمد بن عبداللہ،مشکواۃ المصابیح ،مکتبہ رشیدیہ،کوئٹہ،کتاب العصبیہ،ج2 ،ص432

[22]بحوالہ بالا،السجستانی،ابوداؤد سلیمان ابن اشعث،سنن ابوداؤد،کتاب الادب،باب فی العصبیة،ج2،ص357

[23]المائدہ5:32

[24]بحوالہ بالا،المتقی،علاوالدین علی بن حسام الدین الهندی،کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال،کتاب الاخلاق، باب الاول فی الاخلاق والافعال،الفصل الثانی فی تعدید الاخلاق المحمودۃ،ج3،ص134

[25] بحوالہ بالا،ترمذی،محمد بن عیسیٰ بن سورہ،الجامع للترمذی، کتاب البر والصلة،باب ماجاء فی ظن السوء،ج4،ص356

[26]الحجرات49:12

[27]بحوالہ بالا،السجستانی،ابوداؤد سلیمان ابن اشعث،سنن ابوداؤد،کتاب الادب،باب فی حسن الظن،ج4،ص455

[28]ایضا،کتاب الجهاد،باب فی النهی ای یتعاطی السیف مسلولاً،ج2،ص336

[29]بحوالہ بالا،القشیری،ابوالحسین مسلم ابن الحجاج، الجامع الصحیح للمسلم،کتاب البر ؤالصلة والاداب،باب أمر من مر بسلاح في مسجد أو سوق أو غیرهما من المواضع الجامعة للناس أن یمسك بنصالها، ج4،ص2019